ابو عمار زاہد الراشدی

انسانی حقوق کا مغربی تصور سیرت طیبہ کی روشنی میں

۲۷۔ ۲۸ نومبر ۹۴ء کو مظفر آباد میں حکومت آزاد کشمیر کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت کانفرنس میں پڑھا گیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و الہ و اصحابہ اجمعین‘ اما بعد!

صدر ذی وقار‘ معزز مہمان خصوصی اور قابل صد احترام شرکاء سیرت کانفرنس!

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ اسلام کی دعوت اور پیغام کو مخاطب کی زبان میں اس کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق پیش کیا جائے۔ مکہ مکرمہ کے قریشی سردار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کے اثرات سے پریشان ہو کر جرگے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ آخر آپ کی دعوت کا مقصد کیا ہے اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مزاج و نفسیات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ:

"میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اگر تم اسے قبول کر لو تو عرب و عجم تمہارے تابع ہوں گے۔"

آپؐ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ غلبہ‘ قوت‘ اور اقتدار کے سوا کسی اور زبان کو نہیں سمجھتے‘ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی زبان میں دعوت اسلام کے نتائج و فوائد سے انہیں آگاہ کیا۔ اور یہ بات خلاف واقعہ بھی نہ تھی‘ اس لیے کہ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بے شمار نتائج و منافع میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی اور چونکہ سوال کرنے والوں کے ہاں اس منفعت کی اہمیت زیادہ تھی‘ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی منفعت کا حوالہ دے کر ان کے سوال کا جواب مرحمت فرمایا۔

اس پس منظر میں آج کے دور میں دعوت اسلام کی ضروریات اور تقاضوں کا جائزہ لیا جائے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو نسل انسانی کے سامنے پیش کرنے کے لیے ترجیحات پر غور کیا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے بارے میں قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام کو زیادہ اہمیت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے اور انسانی معاشرہ کو بتایا جائے کہ انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کا جو معیار اور دائرہ کار اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا' انسانی عقل تدریج و ترقی کے تمام مراحل طے کرنے اور مختلف نظام ہائے زندگی کا تجربہ کرنے کے باوجود اس کا کوئی متبادل سامنے نہیں لا سکی' اور انسانی معاشرہ ایک بار پھر پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اپنے مسائل و مشکلات کے حل کے لیے کسی مسیحا کے انتظار میں ہے۔

آج دنیا میں انسانی حقوق کی زبان سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنی جانے والی زبان ہے' جبکہ ورلڈ میڈیا نے اسے صرف زبان کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ وقت کا موثر ترین ہتھیار بنا دیا ہے جو عالم اسلام اور تیسری دنیا کی اقوام کے خلاف مغرب کے ہاتھوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور مغرب جسے چاہتا ہے' اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں کے شکنجے میں جکڑ کر انسانی حقوق کی چھری کے ساتھ ذبح کر دیتا ہے۔

حضرات محترم!

مغرب انسانی حقوق کے حوالہ سے جتنے بلند بانگ دعوے کر لے' مگر انسانی حقوق اور فری سوسائٹی کے مغربی تصور پر مبنی سولائزیشن نے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے آج جو روپ دھار لیا ہے' اس نے خود مغربی دانش وروں کو حیران و ششدر کر دیا ہے اور مغربی معاشرہ میں جنسی انارکی اور فیملی سسٹم کی تباہی نے گورباچوف جیسے مدبر کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر غلطی کی ہے اور اب اسے گھر واپس لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔

دراصل مغرب حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنے اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں ناکام رہا ہے' جبکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اور فرائض کو

نہ صرف یکجا ذکر کیا' بلکہ ان کے درمیان ایک ایسا حسین توازن قائم کر دیا جو گاڑی کے دو پہیوں کی طرح انسانی زندگی کا یکساں بوجھ اٹھا سکتا اور اسے لے کر کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔ مگر مغرب نے حقوق و فرائض کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا اور ان کے درمیان کوئی خط امتیاز قائم نہ رہنے دیا' جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ ذہنی انتشار اور فکری انارکی کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

مثلاً" اقتدار اور حکومت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض اور ذمہ داریوں میں شمار کیا ہے اور قدم قدم پر اس ذمہ داری کی نزاکت اور سنگینی سے خبردار کیا ہے' جس کا منطقی نتیجہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری اور خدا خوفی کی صورت میں ظاہر ہوا اور لوگ اقتدار کی دوڑ میں شریک ہونے کے بجائے اس سے بچنے میں عافیت محسوس کرنے لگے۔ مگر مغرب نے اسے حقوق کی فہرست میں رکھ دیا اور اس حق کو حاصل کرنے کے لیے جو دوڑ لگتی ہے' اس کے فوائد و نقصانات کا تناسب ہر ذی شعور پر واضح ہے۔

اسی طرح محنت' مزدوری اور ملازمت کے ذریعے روزی کمانا اور اہل خانہ کی کفالت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رو سے فرائض کا حصہ ہے اور ڈیوٹی ہے جو گھر کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے' مگر مغرب نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بے شمار افراد کے قتل ہو جانے کے باعث پیدا ہو جانے والے افرادی قوت کے خلا کو پر کرنے کے لیے عورت کو گھر سے باہر لانے کی ضرورت محسوس کی تو ملازمت اور محنت و مزدوری کی ڈیوٹی پر "حقوق" کا خوشنما لیبل چسپاں کر کے اس غریب کو ورغلا لیا اور وہ "عقل کی پوری" بچہ جننے اور اس کی پرورش کرنے کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسے کما کر کھلانے کی ڈیوٹی میں بھی شامل ہو کر خوش ہونے لگی کہ اب میں مردوں کے شانہ بشانہ "مساوی حقوق" سے بہرہ ور ہو گئی ہوں۔

اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور حکومت کے غلط طرز عمل پر نقد و جرح کو فرائض میں شمار کیا ہے جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی کسی تقسیم کے بغیر معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کو جہاد قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص دیکھتے جانتے ہوئے بھی غلط کو غلط نہیں کہتا' وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔ مگر مغرب نے آزادی رائے اور حکومت کی غلط پالیسی پر اسے ٹوکنے کو فرائض کے زمرہ سے

نکال کر حقوق کے دائرہ میں شامل کر لیا' جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہ ایک اختیاری امر بن گیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ "حقوق" کے تصور نے اقتدار اور اپوزیشن کی صف بندی کر دی اور پوری قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

یہ چند مثالیں اس بات کو واضح کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ مغرب نے "حقوق و فرائض" کو خلط ملط کر کے انسانی معاشرہ کی گاڑی کے دونوں پہیوں کا توازن بگاڑ دیا ہے' جس کی وجہ سے گاڑی مسلسل لڑکھڑاتی چلی جا رہی ہے' جبکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق و فرائض میں توازن قائم کیا اور اس کا عملی نمونہ خلافت راشدہ کی صورت میں پیش کر کے دنیا کو دکھا دیا۔

سامعین گرامی قدر!

مغرب سے انسانی حقوق کے حوالہ سے دوسری بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ حقوق کے تعین کا معیار قائم کرنے میں اس کی نگاہ انسانی معاشرے کی وسیع تر ضروریات کا احاطہ نہ کر سکی۔ مغرب نے حق کے تعین میں معیار یہ پیش کیا کہ ہر شخص کو اپنی مرضی پر عمل کرنے کا حق ہے' جب تک کہ دوسرے شخص کی آزادی متاثر نہ ہو۔ اس طرح مغرب نے حق اور ناحق اور جائز اور ناجائز کے تعین میں شخصی مفادات و ضروریات میں ہم آہنگی یا ٹکراؤ کو بنیاد بنایا اور اس سے آگے نسل انسانی اور انسانی معاشرہ کی اجتماعی ضروریات و مفادات تک اس کی نگاہ نہ جا سکی' جس کا خمیازہ مغرب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

مثلاً" مرد و عورت کے اختلاط میں مغرب نے یہ تصور پیش کیا ہے۔ جس درجہ کے اختلاط پر وہ دونوں باہم رضامند ہوں' کسی تیسرے کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی قانون کو گرفت کرنی چاہیے۔ یہاں مغرب نے مرد اور عورت کی باہمی رضامندی تو دیکھ لی مگر پورے معاشرہ پر اس اختلاط کے اثرات کو نہ دیکھ سکا جس کے نتیجے میں کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور فیملی سسٹم تباہی کی آخری حدود کو چھو رہا ہے' جبکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کی اس باہمی رضامندی کو بھی جرم قرار دیا ہے جو پورے معاشرے کے لیے منفی نتائج کا باعث بن سکتی ہو اور مرد و عورت کے اختلاط اور میل جول کا ایک دائرہ قائم کر کے باقی ہر قسم کے میل جول سے منع فرما دیا ہے' کیونکہ کسی بھی عمل کے جائز ہونے کے لیے صرف اس عمل کے دو فریقوں کا رضامند ہونا کافی نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کا اس کے منفی اثرات سے محفوظ رہنا بھی

ضروری ہے اور یہی بنیاد ہے اس توازن کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کے تعلقات کے حوالہ سے قائم فرمایا ہے۔

اسی طرح سود کے بارے میں مغرب نے کہا کہ جب سود لینے اور دینے والے آپس میں متفق ہیں تو کسی اور کو کیا اعتراض ہے؟ یہاں بھی مغرب نے دو افراد کی رضامندی کے محدود دائرہ کو بنیاد بنایا جبکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ پر مجموعی طور پر اس کے منفی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا اور آج سودی معیشت نے جس طرح پوری دنیا کو چند مخصوص گروہوں کی معاشی اجارہ داری کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے' وہ اسلامی تعلیمات کی صداقت اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا داد فراست و بصیرت کی روشن اور کھلی شہادت ہے۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے ہمیں آج کھلے دل و دماغ کے ساتھ انسانی حقوق کے مغربی تصور کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے وسیع تر پراپیگنڈہ سے مرعوب ہونے کے بجائے اس کے کھوکھلے پن کو تقابلی مطالعہ کے ساتھ سامنے لا کر اسلامی تعلیمات و احکام کو واضح کرنا چاہیے تاکہ مشکلات و مصائب کے صحرا میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی اسوہ حسنہ کے شفاف اور خوش ذائقہ چشمہ حیات کی طرف راہ نمائی کی جا سکے۔

حضرات گرامی قدر!

مغرب اور انسانی حقوق کے حوالہ سے گفتگو چلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے فلسفہ کی فکری بنیادوں سے ہٹ کر اس کے واقعاتی پہلوؤں پر بھی کچھ معروضات پیش کر دی جائیں' بالخصوص اس تضاد اور دو عملی کے پس منظر میں جو مغرب نے عالم اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے اور جس نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے کہ مغرب کے نزدیک "انسانی حقوق" کسی فلسفہ یا اصول کا نام نہیں بلکہ یہ محض ایک ہتھیار ہے جو اس نے مخالف اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ ورنہ مغرب جو ووٹ' الیکشن اور بیلٹ بکس کے تقدس کا علمبردار ہے اور غیر جمہوری حکومتوں کا اپنے ساتھ برابر کی سطح پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا' الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابی کامیابی پر آتش زیرپا کیوں ہے؟ اور اسلامک فرنٹ کی جمہوری قوت کو کچلنے کے لیے الجزائر کی غیر جمہوری حکومت کی پشت پناہی کیوں کر رہا ہے؟ آج اس مغرب کو بوسنیا کے خلاف سربوں

کی جارحیت اور بوسنیا کے مسلمانوں کا گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے جانا نظر نہیں آرہا' صرف اس لیے کہ جن کی عصمتیں لٹ رہی ہیں اور جن کی گردنیں کٹ رہی ہیں' وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور مغرب' سلامتی کونسل کی اٹھک بیٹھک اور زبانی جمع خرچ کے ساتھ سربوں کی مکمل فتح کا انتظار بلکہ عملاً" اس کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے۔

سامعین ذی وقار!

اس مغرب کو وادی کشمیر میں گھر گھر بہنے والا خون بھی نظر نہیں آرہا اور نہ حوا کی بیٹیوں کی دل فگار چیخیں مغرب کے کانوں تک پہنچ پا رہی ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے ساتھ ہولی کھیلی جا رہی ہے مگر چونکہ مرنے والے مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ مغرب کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے' اس لیے کشمیر کے حوالے سے مغرب کے کان اور آنکھیں بند ہیں اور اس کے انسانی حقوق کے سارے کے سارے فلسفے مصلحتوں کے فریزر میں منجمد پڑے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ کشمیر' بوسنیا' فلسطین نے اور اب چیچنیا کے خلاف روسی جارحیت کے حوالہ سے منافقانہ طرز عمل نے مغرب کے چہرے سے "انسانی حقوق" کا ریاکارانہ نقاب نوچ پھینکا ہے اور اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا ہے جس کے بعد اس کے پیش کردہ "انسانی حقوق" کا ظاہری بھرم بھی قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مسلم علماء اور دانش وروں کو چاہیے کہ وہ حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں اور دنیا کو منطق و استدلال کے ساتھ بتائیں کہ انسانی حقوق کا حقیقی فلسفہ اور متوازن نظام وہی ہے جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور آج بھی انسانی معاشرہ کی فلاح و کامیابی اسی نظام کو اپنانے پر منحصر ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین